اسبابِ زوالِ خلافتِ عثمانیہ کا تحقیقی مطالعہ

ذاکرہ پروین☆/ڈاکٹر ہمایوں عباس☆☆

Abstract:

"Rise and fall of Ottoman Empire with the causes and aftermaths have been described in these pages, though is abridged form, yet it conveys complete historical records pertaining the up rise and downfall of the unprecedented Muslim Empire under the supremacy of different monarchs in their relevant eras. These pages elaborate consistently the roots and ethics of the up rise of this gorgeous empire and also throw light on the causes of its gradual deterioration. This article illuminates the historical phases of Ottoman Empire and shows the propensity of the ruling class which is responsible to bring this domain to a crushing point from where the reader can easily asses and feel the actual factors working behind the screen to bring this domain to the total collapse."

Keywords: Ottomon Empire, Deterioration, Conspirecy, Cage system, Interiour disorder.

قدرت کا قانونِ عروج وزوال جو ابتدائے آفرینش ہی سے کارفرما ہے، خلافت عثمانیہ اس سے کس طرح محفوظ رہ سکتی تھی۔ دراصل انحطاط وزوالِ اقوام کا معاملہ بھی جسمانی امراض وعوارض کی طرح ہوتا ہے۔ جیسے کسی تندرست وتوانا جسم کو کوئی عارضہ لاحق ہوتا ہے تو آغاز میں اس کا احساس یا تو بالکل نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جاتی اور بالآخر مریض اور اس کے لواحقین کی عدم توجہ موت پر منتج ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح قوموں کے زوال وانحطاط کا معاملہ ہے، جب بدعملی، غفلت، عیش کوشی کے سبب کسی قوم یا حکومت کے جسم کو انحطاط وادبار کا عارضہ لاحق ہوجاتا ہے تو فطرت کی طرف سے

☆ پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ وعربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

☆☆ ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

دو باتیں ہوتی ہیں اگر اُس قوم کے قلوب واذہان بیدار ہوں اور بصیرت جیسی نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہو اور اپنی کمزوریوں، غفلتوں، درماندگیوں اور کوتاہیوں کا ادراک رکھتی ہو تو فوراً اس کا انسداد و تدارک کر لیتی ہے نتیجتاً زوال وانحطاط رُک جاتا ہے اور اس کی عظمتِ رفتہ لوٹ آتی ہے، لیکن اگر اس کے برعکس ہو تو کسی قوم کو اگر اپنے جرائم اور گناہوں کا احساس تک نہ ہو تو تباہی و بربادی اور زوال اُس قوم وملت کا مقدر بن جاتا ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا ہے:

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف (۱)

مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب ''قرآن کا قانونِ عروج وزوال'' میں نہایت وضاحت کے ساتھ عروج وزوال کے فلسفے کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''تورات، انجیل اور قرآن تینوں نے وراثت ارض کی ترکیب جا بجا استعمال کی ہے اور غور کرو یہ ترکیب صورت حال کی کتنی سچی اور قطعی تعبیر ہے۔ دنیا کے ہر گوشے میں ہم دیکھتے ہیں ایک طرح کی بدلتی ہوئی میراث کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد یا گروہ طاقت واقتدار حاصل کرتا ہے۔ پھر وہ چلا جاتا ہے اور دوسرا فرد یا گروہ اس کی ساری چیزوں کا وارث ہو جاتا ہے۔ حکومتیں کیا ہیں، محض ایک ورثہ ہیں جو ایک گروہ سے نکلتا ہے اور دوسرے گروہ کے حصہ میں آجاتا ہے۔''(۲)

اس وراثتِ ارضی کی منتقلی کے لیے قرآن نے عمل صالح کو مدار بنایا ہے۔ جن میں اصلاح اور صلاحیت نہ رہے وہ اس وراثت کے حق دار نہیں رہتے۔ سورۂ فاطر میں فرمایا:

''فَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلاً''(۳)

(سوتم اللہ کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور اللہ کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔)

اللہ تعالیٰ نے قانونِ ہستی کے قیام واصلاح کے لیے یہ اُصول مقرر کیا ہے کہ یہاں وہ چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو اور جس میں منفعت نہیں وہ باقی نہیں رہ سکتی۔ اسے آخر کار نابود ہونا ہے کیوں کہ کائناتِ ہستی کا یہ بناؤ، یہ حسن، یہ ارتقاء قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ مولانا آزاد مزید لکھتے ہیں:

''فطرت ہمیشہ چھانٹتی رہتی ہے وہ ہر گوشہ میں صرف خوبی اور برتری ہی باقی رکھتی ہے فساد اور نقص محو کر دیتی ہے۔ ہم فطرت کے اس انتخاب سے بے خبر نہیں ہیں۔ قرآن کہتا ہے اس کارگاہِ فیضان و جمال میں صرف وہی چیز باقی رکھی جاتی ہے جس میں نفع ہو کیوں کہ یہاں رحمت کارفرما ہے اور رحمت چاہتی ہے کہ افادہ فیضان ہو، وہ نقصان گوارا نہیں کر سکتی۔۔۔ ٹھیک ٹھیک عمل ایسا ہی معنویات میں بھی جاری ہے جو عمل حق ہو گا قائم اور ثابت رہے گا، جو باطل ہو گا مٹ جائے گا اور جب کبھی حق و باطل کا مقابلہ ہو گا تو بقاء حق

کے لیے ہوگی نہ کہ باطل کے لیے، وہ اسی کو قضاء بالحق سے تعبیر کرتا ہے یعنی فطرت کا فیصلہ حق، جو باطل کے لیے نہیں ہوسکتا۔''(۴)

جب تک کوئی قوم قیام عدل کے لیے سعی کرتی رہتی ہے تو فتح وکامرانی اور نصرتِ الٰہی اس کے ساتھ رہتی ہے لیکن جب عدل کے بجائے ظلم وعدوان اور ترویج جور وستم اس کا شعار بن جاتا ہے تو پھر قانونِ قدرت حرکت میں آ جاتا ہے اور بیک جنبش ان کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹاڈالتا ہے اور ان کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہتا۔ مولانا آزاد آگے چل کر لکھتے ہیں:

''جوں ہی تاریخ اسلام کا عہد تاریک شروع ہوا اور علم ومذہب، اعلانِ حق اور دفع باطل کے لیے نہ رہا بلکہ حصول عز وجاہ اور حکومت وتسلط کے لیے آلۂ کار بن گیا اور اس طرح علم ومذہب حصولِ قوتِ حکمرانی اور دولت وجاہ دنیوی کا ذریعہ بن گیا تو اجتماعی فسادات اور امراض کے چشمے پھوٹ پڑے۔ حکام عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے لگے اور علماء و فقہاء ان کے درباروں کی زینت بن گئے تو قوت حاکمہ کائنات کے دست قدرت نے بھی استبدال اقوام اور انتخاب ملل کے فطری قانون کو حرکت دی اور عمل بالمحاذات کے دستورِ اٹل کو عمل میں لائی تو پھر ہمارے ادبار اور شقاوت کو نہ ہماری حکومت روک سکی اور نہ ہی عسکری قوت، رسوائی وذلت کے اس بحرِ متلاطم کے تھپیڑوں سے نہ علماء ومشائخ بچ سکے اور نہ عمال اور زاہد۔''(۵)

تہذیب وتمدن اور عمرانیات کے تمام اُصولوں اور قوانین کا متن قرآن ہی کا بنیادی اُصول ہے۔ اسی اُصول کی ہمہ گیری ہے کہ گذشتہ اقوام کے حالات پر نظر غائر ڈالی جائے تو ہر ملت وقوم کا ایک دورِ عروج دکھائی دیتا ہے اور دوسرا زمانہ انحطاط وزوال، ان دونوں کے مابین مابہ الامتیاز اور حدفاصل اگر کوئی ہے تو وہ قیام عدل اور نفاذ حدود اللہ ہے۔ یہ عروج وزوال اور یہ گردشِ ایام قوموں، ملتوں، جماعتوں اور لوگوں کے مابین ہمیشہ سے جاری وساری ہے، اس کی گرفت سے دنیا کا کوئی شاہ وسلطان نہیں بچ سکتا۔ یہ قدرت کی لازوال اور اٹل حقیقت ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے خلافت عثمانیہ کے انحطاط اور ترک سلاطین کے ادبار وزوال پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس کی وجوہ بیان کرتے ہوئے زوال سلطنت عثمانیہ کو ترکوں کے ساتھ ساتھ اُمت مسلمہ کی بدقسمتی بھی کہا ہے۔ موصوف رقم طراز ہیں:

''ترکوں کی بدقسمتی سے زیادہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ عین ترقی وعروج کے زمانہ میں ترکوں میں تنزل وانحطاط شروع ہوگیا اور قوموں کے پرانے امراض ان میں پیدا ہو گئے۔ آپس میں حسد وبغض کا نشوونما ہوا، بادشاہ مستبد اور جابر ہونے لگے، حکمرانوں کی تربیت کا نظام بگڑ گیا، اخلاق میں انحطاط شروع ہوگیا، حکام اور سپہ سالار قوم وسلطنت سے خیانت اور غداری کرنے لگے، قوم میں راحت طلبی اور عافیت کوشی پیدا ہوگئی، غرض

زوال پذیر قوموں کی تمام صفات ان میں پیدا ہو گئیں۔''(۶)

اسبابِ زوالِ خلافتِ عثمانیہ

علامہ شکیب ارسلان اپنی معروف کتاب ''اسبابِ زوالِ اُمت'' میں مسلمانوں کے زوال کے متعدد اسباب شمار کروانے کے بعد اہم ترین اسباب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کے اسبابِ زوال میں یہ چار باتیں بہت اہم ہیں:

۱۔ جہالت: سب سے اوّل جہالت ہے، کچھ شک نہیں کہ جاہل لوگ جو سرکہ اور شراب میں تمیز نہیں کر سکتے، ہر قسم کی بیہودگی کو ماننے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور جواب دینے کی طاقت نہ رکھنے کے باعث ہر وقت اغیار کے فریب کا شکار رہتے ہیں۔

۲۔ کم علمی: دوسری وجہ مسلمانوں کی کم علمی ہے، یہ چیز جہالت سے بھی بدتر ہے کیوں کہ اگر سچا عالم مل جائے اور جہلاء کو راہِ راست پر آمادہ کر سکے تو وہ فی الفور راستی قبول کر لیتے ہیں لیکن نیم تعلیم یافتہ اشخاص اپنی منطق کے سامنے کس کا قول بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

۳۔ اخلاق کا زوال: تیسری چیز مسلمانوں کے اخلاق کا گر جانا ہے۔ ہم نے قرآن حکیم کی ارشاد فرمائی ہوئی اچھی صفات، جن سے ہمارے اسلاف اعلیٰ مرتبوں تک پہنچے، بالکل ترک کر دی ہیں اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ قوم کو بنانے اور بڑھانے کے لیے علوم اور معارف کی نسبت اخلاق عالیہ کی موجودگی زیادہ ضروری ہے۔

۴۔ علماء اور حکمرانوں کا زوال: حکمران یہ خیال کرتے ہیں کہ عام لوگ محض ان کی خدمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اگر کوئی شخص انہیں راہِ راست پر لانا چاہے تو وہ اُسے مار ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ زیادہ افسوس یہ کہ ان ظالم حکمرانوں کو منافق مولوی بھی ملے ہوئے ہیں حالانکہ ان کا فرض تھا کہ وہ بادشاہوں کو سیدھا راستہ دکھاتے۔''(۷)

سلطان سلیمان اعظم کے دور میں سلطنت عثمانیہ اپنی قوت، عظمت اور حدود کی انتہا کو پہنچ گئی تھی مگر اس کے بعد اس کے بیٹے سلطان سلیم ثانی پھر اس کے پوتے سلطان مراد ثالث کے ادوار کے آخر میں زوال وانحطاط کے آثار واضح طور پر دکھائی دینے لگے تھے جب کہ سلطنت مالی اخراجات کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی اور محل کے حرم کی خواتین ملکی سیاست پر اثر انداز ہونے لگی تھیں۔ نظام حکومت میں رشوت، کروفر کے اظہار، اسراف اور حب جاہ کا چلن عام ہو گیا تھا نیز ایسے افراد حساس مناصب پر فائز ہونے لگے جو ان کے ہرگز اہل نہ تھے۔ فتوحات اور اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ فراموش کر دیا گیا تھا۔ آمرانہ طور طریق وزراء کی شناخت بن گئے تھے، حتیٰ کہ وہ شیخ الاسلام جیسی معزز اور قابل احترام شخصیتوں کو عام ملازمین کی طرح کھڑے کھڑے معزول کر دیتے تھے۔ علمائے دین مائل بہ فساد رہتے تھے اور اصحابِ مناصب تکبر وسرکشی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ جب یہ صورت حال ہو تو سرکش عناصر کو علماء کی توہین اور

انہیں نیچا دکھانے کا موقع مل جاتا ہے اور علماء دین کی آہنی دیوار کو منہدم کرنا ان کے لیے نہایت آسان ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر شیخ عبداللہ شرقاوی جو شیخ الازہر تھے ان سے باغیوں کے کچھ اسی قسم کے اختلافات تھے جن کے سبب اُن کی توہین کی گئی اور محمد علی پاشا نے ان کی نظر بندی کے احکامات جاری کردیئے وہ نہ اپنے گھر سے نکل سکتے تھے نہ کسی علمی و دینی سرگرمی میں حصہ لے سکتے تھے حتیٰ کہ نمازِ جمعہ کے لیے بھی مسجد جانے کی اجازت نہ تھی۔ اس صورت حال کو علامہ جبرتی نے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔(۸)

ان تمام باتوں نے سلطنت کے انحطاط و زوال میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ اس کے باوجود اصلاح احوال کی کوششیں بھی وقفے وقفے سے جاری رہیں اور سلطنت کی کمزوریاں دور کرنے کی سعی بھی کی جاتی رہی، یہی وجہ ہے کہ سلطنت کا زوال ہوتے ہوتے ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ ذیل میں ان اسباب کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

۵۔ ظلم وعدوان اور قتل وخونریزی

جیسا کہ گذشتہ سطور میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ سلطان سلیمان اعظم کا عہد خلافت عثمانیہ کے نقطۂ عروج کا عہد تھا۔ اس کے بعد اس کے انحطاط کا زمانہ شروع ہوگیا۔ دراصل زوال تو سلیمان اعظم کے دور حکومت کے آخر میں شہزادہ مصطفیٰ کے بہیمانہ قتل کے بعد ہی سے شروع ہوگیا تھا بلکہ اس سے بھی پہلے اس کے سب سے طاقت ور اور زیرک وزیر اعظم ابراہیم پاشا کے قتل کے بعد ہی تزلزل رونما ہونا شروع ہوگیا تھا۔ اگرچہ سلیمان تین براعظموں اور دو بحروں پر حکومت کر رہا تھا اور اس کی فوج بھی اتنی مضبوط تھی کہ یورپ کی دولِ متحدہ کو بری اور بحری دونوں قسم کی جنگوں میں بیک وقت شکست فاش دے سکتی تھی، لیکن دراصل وہ خود محکوم تھا اور اس کے اقلیم قلب ودماغ میں اس کی روسی ملکہ جس کا نام حوریم سلطان تھا، اس کی حکومت و بادشاہت کا سکہ چل رہا تھا۔ ترکی کی معروف سیاسی، علمی اور ادبی شخصیت محترمہ خالدہ ادیب خانم اپنی کتاب "Conflict of East and West in Turkey" (ترکی میں مشرق ومغرب کی کشمکش) میں خلافت عثمانیہ کے زوال کے اسباب بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "The recognised zenith of Ottoman Power was the time of Soleyman the Magnificent. He ruled over three continents, and in Europe only his Empire extended to the walls of Vienna. Great powers sought his alliance, and his forces could beat the combined forces of the Western world on land and sea. But over Soleyman ruled his wife, Hurrem

Sultan, known as Roxalane to the Western world because of her Russian origin. This little woman witli red hair and a turned up nose, who was not much to look at, judging from her pictures, possessed a temperament and a capacity for intrigue which could boat all the Medici ladies put together."(8)

(یہ مسلم ہے کہ سلطنت عثمانیہ کا منتہائے عروج سلیمان اعظم کا زمانہ تھا وہ تین براعظموں پر حکومت کرتا تھا اور صرف یورپ میں اس کے مقبوضات ویانا کی دیواروں تک پہنچ چکے تھے۔ بڑی بڑی سلطنتیں اسے اپنا دوست بنانے کی کوشش کرتی تھیں اور اس کی فوج بھی اتنی مضبوط تھی کہ یورپ کی دولِ متحدہ کو بری اور بحری دونوں قسم کی جنگوں میں بیک وقت شکست فاش دے سکتی تھی، لیکن اس پر اس کی بیوی حوریم سلطان کی حکومت تھی جو روسی نسل سے تھی جو اہل مغرب میں روکسلین کے نام سے جانی جاتی ہے، یہ ایک چھوٹی سی عورت تھی جس کے بال سرخ تھے اور ناک اوپر کو اُٹھی ہوئی تھی، وہ غضب کی تیز مزاج تھی اور سازش کرنے میں اٹلی کے میڈ چی خاندان کی تمام عورتیں مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔)

اسی روسی ملکہ سے سلیمان اعظم کا ایک بیٹا سلیم خان ثانی تھا جو نہایت آوارہ، بدچلن و بداطوار اور بادہ نوش تھا۔ ملکہ کی خواہش تھی کہ سلیمان کے بعد اس کا یہ بیٹا ہی تخت نشین ہو لیکن مشکل یہ تھی کہ سلطان سلیمان کا سب سے بڑا بیٹا شہزادہ مصطفیٰ جو کسی دوسری ملکہ کے بطن سے تھا، پہلے ہی ولی عہد قرار پا چکا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ مصطفیٰ اپنی فوجی، دماغی اور انتظامی قابلیت کے لحاظ سے باقی تمام شہزادوں سے فائق تھا اس بنا پر ولی عہدی کا مستحق بھی تھا۔ یہ ولی عہد شہزادہ اپنے انہی اوصاف و کمالات کی بناء پر عوام اور فوج خصوصاً ینی چریوں میں انتہائی مقبول و محبوب بھی تھا۔ لیکن روسی ملکہ نے اس کے خلاف ایک زبردست سازش تیار کی اور آخر کار سلطان کو شہزادہ مصطفیٰ کی طرف سے بدگمان کر کے یہ باور کرا دیا کہ مصطفیٰ خود سلیمان کی زندگی میں ہی تخت و تاج کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ۱۵۵۳ء میں جب ایران سے جنگ کرنے کے لیے مصطفیٰ اپنی فوج کے ساتھ کوچ کر رہا تھا تو سلطان سلیمان نے اپنے خیمہ میں بلا کر اپنے اس بہادر و جانباز شہزادے کو گلا گھونٹ کر مروا دیا۔ پھر صرف اسی پر اکتفاء نہ کیا بلکہ اس شہزادے کے نوعمر بیٹے کو بھی مروا دیا۔

شہزادہ سلیم کی تخت نشینی کے لیے اب اس کے مقابل اس کا بھائی شہزادہ بایزید تھا لہٰذا شہزادہ مصطفیٰ کی طرح اس کے دوسرے بھائی بایزید کا بھی یہی حشر ہوا۔ مصطفیٰ کے قتل کے بعد بایزید کو یقین ہو گیا کہ اب اس کی جان کو بھی امان نہیں۔ چنانچہ اس نے سلیم ثانی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا لیکن سلطان

سلیمان اور سلیم ثانی کی مشترکہ قوت نے مل کر بایزید کو شکست دے دی اور بایزید نے بھاگ کر ایران کے شاہ طہماسپ کے دامن عاطفت میں پناہ لے لی۔ لیکن سلطان سلیمان نے شاہِ ایران کو جنگ کی دھمکی دے کر اور چار لاکھ اشرفیوں کے عوض اس کو شہزادے کی حوالگی پر مجبور کر دیا تو اس نے مجبوراً شہزادہ بایزید اور اس کے چاروں بیٹوں کو سلیم کے سفیر کے حوالے کر دیا جس نے ان سب کو فوراً قتل کر دیا۔

مصطفیٰ و بایزید کے قتل اور سلطان سلیمان کی وفات (۹۷۴ھ) کے بعد سلیم ثانی تخت سلطنت پر براجمان ہوا۔ اس کی نا اہلی، نالائقی، بادہ نوشی، عیش کوشی اور کج فہمی کی بنا پر خلافت عثمانیہ کے زوال کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے اور دولت عثمانیہ میں تزلزل پیدا ہونے لگا۔ خالدہ ادیب خانم اس صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"It would not have mattered much if the thing had ended there, for the force and stability of the Empire depended more on the ingenious way the system was organised, and great statesmen often covered the lapses of incapable Sultans. But Hurrem Sultan went further. She persuaded Soleyman to adopt the "Cage" system for the princes, and with that she dealt a fatal blow to the dynasty. The experimental and bodily part of the prince's training was abandoned, though he was still taught the classics and given some education, and lie was obliged to spend his lite in the harem to the moment he. could ascend the throne. The consequence was a series of hot-house princes, soft and ignorant of the conditions of their Empire."(9)

(اگر معاملہ یہیں تک رہتا تو کچھ ایسا حرج نہ تھا اس لیے کہ سلطنت کے استحکام اور قوت کا مدار زیادہ تر اس کے مکمل نظام پر تھا اور اکثر سلطانوں کی نالائقی کی تلافی ارا کین سلطنت کی قابلیت اور تدبر سے ہو جاتی ہے مگر حوریم سلطان نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سلیمان اعظم کو آمادہ کیا کہ شہزادوں کو محل میں قید رکھ کر تعلیم دی جائے۔ یہیں سے شاہی خاندان کا زوال شروع ہوتا ہے، شہزادوں کی تعلیم کے نصاب سے جسمانی تربیت اور عملی تجربے کے اجزاء خارج کر دیئے گئے۔ قدیم زبانوں اور مختلف علوم و فنون کی تعلیم انہیں اب بھی دی جاتی تھی مگر اب وہ تخت نشینی کے وقت تک قصر شاہی کے باہر قدم نہیں رکھنے پاتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اب بادشاہ ایسے لوگ ہونے لگے جو ناز و نعم میں پلتے تھے، عیش

وآرام کے عادی ہوتے تھے اور اپنی سلطنت کے حالات سے بالکل ناواقف۔)

۶۔خوشامد پسندی اور رشوت

سترہویں صدی کے آغاز سے ہی نااہل سلاطین کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا جو عیش پسند اور غافل تھے اور جو عیش پسند نہیں تھے وہ حد سے زیادہ ظالم تھے اور حرم کے زیر اثر تھے اور انتہائی بداطوار تھے۔ ان کی منظورِ نظر ملکائیں سلطنت کے بڑے اور اہم عہدے نیلام کرنے لگیں۔ اسی طرح انتظامی اور فوجی عمال بھی سلطانوں کی دیکھا دیکھی عیش پسند ہوگئے اور رشوتیں دے کر اعلیٰ عہدے حاصل کرنا ان کا وطیرہ ہوگیا۔ قابلیت کے بجائے چاپلوسی اور ترقی کا معیار قرار پائی۔ رشوت کو سب سے پہلے وزیراعظم رُستم پاشا نے فروغ دیا جو سلطان سلیمان اعظم کا داماد بھی تھا۔ ڈاکٹر محمد عزیر اپنی کتاب ''دولت عثمانیہ'' میں رقم طراز ہیں:

> ''رشوت ستانی کی بنیاد رُستم پاشا نے ڈالی، یہ شخص سلیمان کا داماد تھا اور پندرہ سال تک وزیراعظم رہا۔۔۔سلطنت کے انتظامی عہدوں پر جو لوگ مقرر کیے جاتے رُستم پاشا ان کے تقرر کے موقع پر ان سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتا۔۔۔فوجی اور بحری عہدوں پر وہی اشخاص مقرر کیے جانے لگے جو اپنے تقرر کے وقت کثیر رقمیں پیش کرتے، گویا تمام ملازمتیں نیلام ہونے لگیں۔۔۔رُستم پاشا نے اپنی وفات پر جو جائیداد چھوڑی اس کی مختصر فہرست حسب ذیل ہے: اناطولیہ اور رومیلیا میں ۸۱۵ مزروعہ زمینیں، ۴۷۶ پن چکیاں، ۱۷۰۰ اغلام، ۲۹۰۰ زرہ بکتر ۱۸۰۰۰ امامے، ۶۰۷ تیغے، ۶۰۰ جلدیں قرآن پاک کی، ۵۰۰۰ دوسری کتابیں اور بیس لاکھ دوکات۔''(۱۰)

سلاطین عثمانیہ جو اب تک اپنے آباء واجداد کی طرح مردانگی کے جوہر رکھتے تھے، اب بازنطینی فرماں رواؤں کی طرح آرام طلب اور عیش پرست ہوگئے۔ اس عہد کا قصر عثمانی، بازنطینی شاہی محل کی طرح تھا۔ ان میں بہت کم سلاطین ایسے ہوئے جو طبعی موت مرے ہوں کیوں کہ سترہویں صدی میں فوج کی بغاوت اور سلاطین کی معزولی و قتل ایک عام سی بات تھی۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ قتل و ہلاکت کے اس رواج کو انہوں نے قانون کا نام دے رکھا تھا۔ اس ہلاکت وخونریزی کے سلسلے کی تفصیلات کو مولانا سعید اکبرآبادی نے بیان کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

> ''قصر شاہی طرح طرح کی ناپاک سازشوں اور فریب کاریوں کا مرکز بن جاتا ہے اور ان کا ظہور بسا اوقات نہایت ہی دردناک قتل کی صورتوں میں ہوتا ہے چنانچہ بایزید یلدرم نے اپنے برادرِ خورد یعقوب چلپی کو۔۔۔سلطان سلیم اوّل نے اپنے دو بھائیوں احمد اور کرکود کو قتل کرایا۔۔۔سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ نے۔۔۔عنانِ سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد پہلا کام یہی کیا کہ اپنے دودھ پیتے بھائی کو جو سرویا کی شہزادی کے بطن سے تھا۔۔۔حوض میں غرق کرا کر ہلاک کرادیا۔ پھر محمد فاتح نے اپنے اس فعل پر نادم یا پشیمان ہونے کے بجائے بمصداق ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' یہ بھی کیا کہ حکومت وسلطنت

کے تحفظ کی خاطر بھائیوں کے قتل کو قانوناً جائز ہی قرار دے دیا۔ سلطان محمد فاتح کے اس خونیں قانون کا نتیجہ یہ ہوا کہ مراد ثالث نے اپنے پانچوں بھائیوں کو اور اس کے بیٹے محمد ثالث نے اپنے انیس بھائیوں کو اسی قانون کی آڑ لے کر بے رحمی سے قتل کرادیا۔''(۱۱)

۷۔ولی عہدی

زوال سلطنت عثمانیہ کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ولی عہدی کا رواج بھی ہے کیوں کہ اسلام نے بادشاہ یا خلیفہ کے انتخاب کا جو طریقہ تجویز کیا ہے وہی کسی حکومت کے استحکام اور مضبوطی کا کفیل ہوسکتا ہے۔ ولی عہدی کے رواج سے جیسا کہ عباسی خلافت میں کثرت سے ہوا، ایک طرف تو یہ ہوتا ہے کہ چوں کہ خلیفہ یا بادشاہِ وقت کا ہر بڑا لڑکا یہ یقین رکھتا تھا کہ باپ کے بعد لازماً وہ وارث تاج وتخت ہوگا۔ اس بنا پر اس کو اس بات کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی کہ وہ شاہانہ عادات وخصائل پیدا کر کے اپنے آپ کو اس اعلیٰ منصب کا مستحق بھی ثابت کرے۔ وہ سمجھتا تھا کہ حکمرانی کی عدم صلاحیت کے باوجود بہرحال خلیفہ وہی ہوگا۔ دوسری جانب بعض عمال وامراء اور بوالہوس قسم کے مصاحبین اس کے گرد جمع ہوجاتے اور ہر اس کے ہر اچھے برے کام کو سراہتے اور اس کی ہاں میں ہاں ملا کر ولی عہد کے دل میں اپنے لیے جگہ بنا لیتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ولی عہد کو اپنی کمزوریاں اور خامیاں بھی اضافی خوبیاں محسوس ہوتیں اور وہ عمر بھر خود غلط بنا رہتا۔ پھر جب یہ ولی عہدی سے ترقی کر کے تخت نشین ہوتا تو یہی غرض کے بندے ندیم ومصاحب اس کو اپنی اپنی اغراض کے لیے آلۂ کار بنا لیتے اور اس کی سلطنت فتنوں اور ہنگاموں میں گھر کر رہ جاتی۔

غرض یہ کہ ان تمام مفاسد اور خود غرضیوں اور سفا کیوں کا اصل سبب ولی عہدی کا رواج تھا جب کہ اگر اسلام کا عطا کردہ جمہوری طریقہ انتخاب رائج رہتا تو کم از کم خلافت وبادشاہت کا ہر اُمیدوار اپنے اخلاق وکردار اور افعال واعمال کو زیادہ سے زیادہ راست وپسندیدہ بنا کر رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کرتا پھر جو شخص بھی تخت پر متمکن ہوتا تو چونکہ جمہور کی رائے اس کی پشت پناہ ہوتی اس لیے کوئی اس کے خلاف سازش وبغاوت کی جرأت نہ کرتا۔

۸۔غیر ملکی اور غیر مسلم خواتین سے شادیاں

زوال کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ سلاطین عثمانیہ کنیزوں اور غیر مسلم وغیر ملکی عورتوں سے شادیوں کے معاملہ میں نہایت غیر محتاط تھے اور ان سے نکاح کرنے یا کنیزوں کو محل کے حرم میں داخل کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے سلطان اُورخان نے کینٹا کوزین کی لڑکی تھیوڈورا سے شادی کر کے اُسے مسیحیت پر قائم رہنے کی اجازت دے دی۔ اسی طرح

بایزید یلدرم نے شاہِ سرویا کی بہن ڈیسپنیا سے نکاح کیا۔اس کے بعد سلطان سلیمان اعظم نے روسی کنیز حوریم سے نکاح کیا اور اس کے بیٹے سلیم ثانی نے بھی غیر مسلم کنیز سے شادی کی۔ یہ سب خواتین تو محل میں بیگمات بن کر رہتی تھیں اور اُمورِ سلطنت میں بہت زیادہ دخیل تھیں۔ان کے علاوہ بہت سی غیر مسلم باندیاں اور کنیزیں حرم محل میں رہتی تھیں جن کا کوئی شمار نہ تھا۔ یہ ہمیشہ سازشوں کے تانے بانے بُنتی رہتیں۔ چنانچہ مشہور مصری دانش ور استاذ کرد علی خلافت عثمانیہ کے انحطاط و سقوط پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ولعله يعد من الأسباب الجوهرية فى الانحطاط تغير الدم السلطانى فى آل عثمان تغيرا كبيرا الكثرة ما اقتنوا من السرارى الجورى النصرانيات''(۱۲)

(آل عثمان کے انحطاط کا ایک جوہری سبب یہ ہے کہ عیسائی باندیوں اور کنیزوں کی کثرت کی وجہ سے سلطانی خون بہت زیادہ بدل گیا تھا۔)

چنانچہ سلیم ثانی نصف ترک اور نصف روسی تھا کیوں کہ اس کی ماں حوریم سلطان روسی نسل کی تھی۔محمد ثالث آدھا اطالوی تھا کہ اس کی والدہ وینس (Venice) کی باشندہ تھی۔اسی طرح عثمان ثانی، مراد رابع اور ابراہیم اوّل نصف رومی تھے کہ ان سب کے مائیں رومی النسل تھیں۔ان غیر مسلم اور غیر ملکی خواتین کی محل میں کثرت کا وہی نتیجہ رونما ہوا جو خلفائے عباسیہ کے ہاں ہوا تھا یعنی جب تک صاحب بصیرت، بیدار مغز اور شجاع سلاطین پیدا ہوتے رہے، اُمورِ سلطنت ان خواتین کے عمل دخل سے پاک رہے لیکن جب سے نا اہل، عاقبت نا اندیش، غافل، عیش پسند اور نالائق سلاطین سریر آرائے سلطنت ہونے لگے تو عنانِ حکومت بھی در پردہ انہیں خواتین کے ہاتھوں میں منتقل ہونے لگی۔''دولت عثمانیہ'' کے فاضل مصنف معروف مؤرخ اُمورِ سلطنت عثمانیہ ڈاکٹر محمد عزیر رقم طراز ہیں:

''حرم کی چار خاتونوں کا اثر خصوصیت کے ساتھ اس پر بہت زیادہ تھا اور اُمورِ سلطنت کا انصرام حقیقتاً ان ہی خواتین کے منشاء کے مطابق ہوتا تھا۔''(۱۳)

۹۔ ینی چری فوج کی بغاوت اور اُمورِ سلطنت میں دخل اندازی

ینی چری، ترکوں کی ایک نہایت ہی منتخب اور بہادر فوج تھی، یہاں تک کہ ان کو سلطنت کا دست راست بھی کہا جائے تو بجا ہے لیکن محلاتی سازشوں کے ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر فوج میں اطاعت اور فرماں برداری کا جذبہ رفتہ رفتہ مفقود ہوتا گیا۔ یہ بھی زوال سلطنت کا ایک اہم سبب تھا۔کیوں کہ سلیم ثانی اور مراد ثالث اور ان جیسے دیگر نا اہل اور عیش کوش سلاطین کی اُمورِ حکومت سے غفلت ولا پروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ینی چری فوج سلاطین سے باغی ہوتی گئی اور اُمورِ سلطنت میں ان کا عمل دخل اس قدر ترقی کر گیا کہ وہ امراء اور وزراء کے ساتھ مل کر اور بعض اوقات ان کی مدد کے بغیر بھی جس کو چاہتے تخت سلطنت پر بٹھاتے اور جس کو چاہتے قتل کر دیتے۔ان کی سرکشی اور بغاوت اس قدر بڑھتی گئی کہ ۱۸۸۹ء میں ینی چریوں نے قصر

خلافت کے سامنے اپنے مطالبات منوانے کے لیے مظاہرہ کیا جن کو بالآخر سلطان کو تسلیم کرنا پڑا۔اس کے بعد تو فوج کو اتنی جسارت ہوگئی کہ وہ جب چاہتی علم بغاوت بلند کر دیتی۔حتیٰ کہ صدرِ اعظم اور دیگر اہم مناصب پر تقرر و تنزل بھی فوج کی منشاء اور خواہش کے مطابق ہونے لگا اور سلاطین کی حیثیت رفتہ رفتہ محض کٹھ پتلی کی ہوگئی اور حکومت ان کے ہاتھوں بازیچہءاطفال بن کر رہ گئی۔

۱۰۔وزراءاورامراءکی خیانت وغداری

امراء و وزراء کی خیانت وغداری یہاں تک پہنچی کہ انہیں دولت عثمانیہ کے بدترین دشمنوں سے ساز باز کرنے میں بھی کوئی عار نہ محسوس ہوتی۔ہوسِ دنیا، ذاتی مفادات،نفسانیت اور اغراض پرستی انہیں عین جنگ کے مواقع پر بھی وفاداری بدلنے پر مجبور کر دیتی۔خلافت عثمانیہ کے دشمنوں میں سب سے زیادہ خطرناک دشمن روس تھا۔سلطان احمد خان ثالث کے دورِ حکومت میں روسی شہنشاہ پیٹر اعظم قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی غرض سے خلافت عثمانیہ کے علاقوں پر تاخت وتاراج کے لیے روانہ ہوکر دریائے پرتھ کو عبور کرنے کے بعد خیمہ زن ہوا تو اس کو معلوم ہوا کہ سامنے کی پہاڑیوں میں ترکی کا صدر اعظم بلطہ جی محمد پاشا دو لاکھ کا لشکر جرار لیے ہوئے موجود ہے۔اس وقت جنگی نقطہءنظر سے شہنشاہِ روس بڑی خطرناک حالت میں تھا وہ تین اطراف سے گھرا ہوا تھا۔ایک تو اس کے لشکر کی تعداد ترکی فوج کے مقابلے میں بہت کم تھی، عقب میں دریا تھا جب کہ دوسری طرف ایک وسیع اور مہلک دلدل تھی اور سامنے صدر اعظم محمد پاشا ترکی کی فوج لیے موجود تھا۔اس واقعہ کی تفصّل بیان کرتے ہوئے مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں:

> ''اگر محمد پاشا چاہتا تو پیٹر اعظم کو قتل یا گرفتار کرسکتا تھا لیکن شہنشاہ کی ملکہ کیتھرائن نے جو حسن وجمال کے علاوہ ذہانت وذکاوت میں ممتاز تھی تدبیر یہ کی کہ بہت کچھ مال و دولت،سونا اور زیورات بلطہ جی محمد پاشا کے نائب کے پاس بطورِ نذرانہ بھیج دیا اور نائب نے صدر اعظم محمد پاشا کو آمادہ کیا کہ وہ ایک معاہدہ کرکے اپنا محاصرہ اُٹھالے، چنانچہ یہی ہوا اور روس کی فوج سلامتی کے ساتھ واپس چلی گئی۔ایسا ہی ایک واقعہ سلطان عبدالحمید کے عہد میں ہوا،محمد علی پاشا خدیو مصر کے بیٹے ابراہیم پاشا نے ترکوں کو نصیبن میں شکست فاش دی جس سے اغلب یہ تھا کہ ابراہیم کا اقتدار ایشیائے کوچک میں بڑھ جائے گا۔ایسے نازک موقع پر احمد پاشا قپودان نے سارا ترکی بیڑہ اسکندریہ میں لاکر خدیو مذکور کے حوالہ کر دیا،اگر انگلستان بیچ میں نہ پڑتا تو خدیو مصر قسطنطنیہ پر بھی قابض ہوجاتا اور ترکی سلطنت صفحہءہستی سے ہی مٹ جاتی۔''(۱۴)

اسی طرح سلطان عبدالحمید ثانی کے دورِ اقتدار کے زمانہ میں انگریز جزیرۂ سائپرس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے لیکن سلطان اس پر آمادہ نہ ہوا۔آخر ۱۸۷۸ء میں جب صفوت پاشا وزیر اوّل مقرر ہوا تو اس نے سب سے پہلے جزیرۂ سائپرس ہی انگریزوں کے حوالے کر دیا اور سلطان کے سامنے یہ عذر گھڑ لیا کہ

اس عنایت خسروانہ پر انگریز برلن کانفرنس میں ہماری حمایت کریں گے۔

۱۱۔ اہلِ علم کا جمود اور پس ماندگی

ترکوں میں سب سے بڑا مرض جو پیدا ہوا وہ ان کا جمود تھا اور جمود بھی دونوں طرح کا علم و تعلیم میں بھی جمود اور فنون حرب وضرب اور تنظیم عسا کر کی ترقی میں بھی رفتہ رفتہ جمود چھا تا گیا۔ وہ قرآن کی اس ہدایت کو بالکل فراموش کر بیٹھے:

"وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَ مِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ"[۱۵]

(مسلمانو!) جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لیے اپنا ساز وسامان مہیا کیے رہو کہ اس طرح مستعدرہ کر تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھائے رکھو گے نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر نہیں۔)

بعد میں آنے والے سلاطین عثمانیہ نے اسلام اور تعلیماتِ اسلام سے بھی روگردانی کی اور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کو بھی پس پشت ڈال دیا:

"الحكمة ضالّة المؤمن حيث وجدها فهو حقُّ بها"[۱۶]

(دانائی کی بات مومن کا گم شدہ مال ہے جہاں سے اس کو مل جائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔)

ان حالات میں جب کہ سلاطین عثمانیہ اپنی حریف مغربی اقوام اور مغربی ریاستوں میں گھرے ہوئے تھے، انہیں مصر کے فاتح سیدنا عمرو بن العاصؓ کی درج ذیل وصیت مدنظر رکھنی چاہیے تھی جو انہوں نے مصر کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کی تھی۔ آپؓ نے فرمایا تھا:

"واعلموا أنكم فى رباط إلى يوم القيامة لكثرة الأعداء حولكم وتشوف قلوبهم إليكم وإلى داركم معدن الزرع والمال والخير الواسع البركة النامية"[۱۷]

(اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم قیامت تک خطرہ کی حالت میں ہو اور ایک اہم ناکہ پر کھڑے ہوئے ہو اس لیے تم کو ہمیشہ مسلح رہنا چاہیے کیوں کہ تمہارے چاروں طرف دشمن ہیں اور ان کی نگاہیں تم پر اور تمہارے ملک پر لگی ہوئی ہیں۔)

اس ملی تنزل و انحطاط کے اثرات سے اہل علم و فضل بھی نہ بچ سکے حالانکہ علماء و مشائخ عوام اور مقتدر طبقے دونوں میں مقبول و محترم تھے اور دونوں میں بڑا اثر و اقتدار رکھتے تھے۔ محترمہ خالدہ ادیب خانم علماء کرام کے اغماض اور غفلت شعاری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> "As long as the world remained scholastic, the Moslem Religious Body did its duty admirably, and the Sulemanieh and Fatih Medressehs were the centres of learning, and of whatever science there was at the time. But when the West broke the chains of scholasticism and created a new learning and science, the effects of which were to change the face of the world, the Islamic Religious Body failed very badly in its educational function. The Ulema took it for granted that human knowledge had not grown beyond what it was in the thirteenth century, and this attitude of mind persisted in their educational system down to the middle of the last century. The complacence of the Ulema in Turkey particularly and in the Moslem world generally had nothing to do with their loyalty to the teachings of Islam, for scholastic philosophy and theology Christian or Moslem is Hellenic."(18)

> (ملت اسلامیہ کی تعلیم انہی علماء کے ہاتھوں میں تھی، جب تک دنیا پر متکلمین کے فلسفے کی حکومت رہی، یہ لوگ اپنا کام نہایت خوبی سے کرتے رہے۔ مدرسہ سلیمانیہ اور مدرسہ فتحیہ اس زمانے میں تمام مروجہ علوم وفنون کے مرکز تھے مگر جب مغرب نے کلام کی زنجیروں کو توڑ کر نئے علم وحکمت کی بنا ڈالی، جس نے حیاتِ عالم میں ایک انقلاب برپا کر دیا تو علماء کی جماعت تدریسی فرائض انجام دینے کے قابل نہ رہی۔ یہ علماء سمجھتے تھے کہ علم تیرہویں صدی میں جس مقام پر تھا، وہاں سے اب تک آگے نہیں بڑھا۔ یہ طرزِ فکر انیسویں صدی کے وسط تک ان کے نظامِ تعلیم پر حاوی رہا۔ ترکی اور دوسرے اسلامی ممالک کے علماء کا یہ طرزِ فکر جذبہء اسلامی سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا بلکہ فلسفہ کلام یا علم کلام خواہ عیسائیوں کا ہو یا مسلمانوں کا، یونانیوں کے فلسفے پر مبنی ہے۔)

ترکی کے یہ علماء کرام لکیر کے فقیر تھے اور کسی اصلاحِ جدید کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ جب سلطان سلیم خان ثالث نے ترکی میں جدید علوم وفنون کے مدارس قائم کرنے اور فوج کو جدید فنونِ حرب وضرب سے روشناس کرانے، ان کو جدید آلاتِ حرب وضرب سے آراستہ کرنے کے لیے تعلیمی اور فوجی اصلاحات کرنا چاہیں تو اس منصوبہ کی سب سے زیادہ مخالفت علماء کی اسی جماعت کی

طرف سے ہوئی۔ اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی نے فتویٰ جاری کر دیا کہ جدید فوجی لباس پہننا شعارِ اسلام کے خلاف ہے۔ ینی چری فوج کی پشت پناہی بھی علماء کو حاصل تھی۔ نتیجتاً ینی چریوں نے سلطان کے خلاف فوجی بغاوت کر دی اور جو امراء و حکام ان اصلاحات کے حامی تھے، سب کو چن چن کر اور بے دردی سے قتل کر دیا۔ یہ قتل عام دو دن تک جاری رہا، سلطان نے فوج کی یہ خودسری اور شورش پسندی دیکھ کر مجبوراً تمام اصلاحات منسوخ کر دیں لیکن ینی چری فوج کے آتشِ غضب اس پر بھی فرو نہ ہوئی بلکہ انہوں نے مفتی اعظم سے جواز کا فتویٰ اور شیخ الاسلام سے شرعی جواز کی سند حاصل کر کے سلطان سلیم کو معزول کر دیا۔

۱۲۹۳ھ میں سلطان عبدالحمید ثانی تختِ سلطنت پر متمکن ہوا تو اس نے بھی سلطنت کی اندرونی دگرگوں صورت حال کو واضح طور پر محسوس کیا اور مملکت اسلامیہ کی زبوں حالی وابتری کی درستی واصلاح کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور اصلاحات کی سکیم نافذ کرنی چاہی لیکن اس کا بھی وہی انجام ہوا کہ شریعت اسلام کے نام پر فوج اس نئے اصلاحی دستور کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی اور شیخ الاسلام سے فتویٰ حاصل کر کے سلطان عبدالحمید ثانی کو بھی تخت خلافت سے معزول کر دیا۔

۱۲۔ ترکی کی حریف اقوام کی بیداری

زوال کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ترکوں کا جمود اور اپنی حریف اقوام کی بہ نسبت پسماندگی بھی تھی۔ ایک طرف ترک قوم کی یہ حالت تھی کہ جمود و بے حسی اور غفلت و درماندگی کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی جب کہ دوسری طرف ان کا سب سے بڑا حریف اور دشمن یورپ اپنی جہالت و نادانی سے بیدار ہو کر اپنے تاریک دور سے نکل آیا تھا اور علوم و فنون کی طرف متوجہ ہو کر نئی نئی ایجادات اور جدید آلاتِ حرب و ضرب سے مسلح ہو رہا تھا۔ اہل یورپ کے دلوں سے ترکوں کا رعب و دبدبہ اور مرعوبیت کا احساس محو ہو رہا تھا۔ اس سے یورپی اقوام میں طبعی طور پر یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ترکی پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ یورپ کا یہ ''مردِ بیمار'' اپنی آخری سانسوں ہی میں گھٹ کر ختم ہو جائے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اس صورت حال کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

> ''یورپین اقوام کے ان منصوبوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اٹلی، روس، یونان اور دوسری بلقانی ریاستوں نے انگلینڈ اور فرانس کے ساتھ ساز باز کر کے ترکی پر یورشیں شروع کر دیں اور اب عثمانی مقبوضات یکے بعد دیگرے ترکوں کے قبضہ سے نکلنے شروع ہو گئے۔۔۔ ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ بحر روم کے مشہور جزائر کریٹ، قبرص اور مالٹا ترکوں کے قبضہ سے نکلے۔ پھر بغداد، شام، لبنان اور فلسطین سے موصل تک کا سارا علاقہ ان سے چھین لیا گیا۔ جو بلقانی ریاستیں ترکی کی باج گزار تھیں وہ آزاد ہو گئیں اور خود ایشیائے کوچک کے بھی حصے بخرے ہو گئے۔''(۱۹)

۱۳۔عربوں کی بغاوت

عربوں کی بغاوت بھی ترکوں کے زوال کا سبب بنی۔پہلی جنگ عظیم کا سب سے اندوہ ناک پہلو یہ تھا کہ ترک سلاطین اپنی تمام تر غفلتوں، کوتاہیوں اور سیاسی کج اندیشیوں کے باوجود سلطان سلیم اوّل کے خلافت حاصل کرنے سے لے کر اب تک خود کو ''خادم الحرمین الشریفین'' کہلاتے اور اس پر فخر کرتے آئے تھے۔جب کہ اب تک انہوں نے عربوں کے لیے کچھ خاص نہیں کیا تھا۔یہی وجہ تھی کہ عربوں اور خصوصاً شریفِ مکہ نے اپنے دینی فرائض اور اسلامی بھائی چارے سے صرفِ نظر کر کے ان کے ساتھ دجل وفریب کرتے ہوئے اور خود مختار عرب اسٹیٹ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے سلطنت عثمانیہ کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کر کے علم بغاوت بلند کر دیا اور ترکی کی فوج جو حجاز میں تھی اُسے نکال باہر کیا۔

عربوں نے قوم پرستی اور نسلی تفاخر وتعصب کا ثبوت دیتے ہوئے اُمت مسلمہ کے اجتماعی مفادات کو پس پشت ڈال دیا۔اس افسوس ناک اور الم ناک رویہ کے بارے میں معروف ہندوستانی سکالر ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی رقم طراز ہیں:

> ''عرب مصنفوں نے بالعموم اس سلسلہ میں قوم پرستانہ نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، انہوں نے ایک مسلمان کی حیثیت میں اسلامی معیار پر ترکی اور خلافت عثمانیہ کو نہیں پرکھا بلکہ ایک قوم پرست کی نگاہ سے اس کا جائزہ لیا جو عربوں میں حق خودارادیت، تحریک آزادی اور ''پنجۂ استبداد'' سے رہائی کا پرجوش مبلغ تھا اس پر مستزاد یہ کہ قوم پرستی کی یہ تحریکیں عربوں میں اسلام دشمن طاقتوں کے درمیان سخت منافرت، تصادم اور آویزش کا ماحول پیدا کر دیا اور ترک دشمنی میں عرب ''كُونُوا عبادالله اخواناً'' کا ابدی پیغام فراموش کر بیٹھے۔''(۲۰)

یہ وہ اسباب تھے جن کی بنا پر خلافت عثمانیہ کا سقوط ہوا۔ترکی جسے ملت اسلامیہ اپنی آبرو اور اپنا محافظ تصور کرتی تھی، بدنصیبی سے اس طرح انتشار وخلفشار کا شکار ہوا کہ جنگ عظیم اوّل کے بعد اس کی طاقت وسطوت اور عظمت وشوکت منتشر ہو کر قصۂ پارینہ بن گئی۔یہود ونصاریٰ نے بھی درپردہ اور خفیہ سازشوں کے ذریعہ ترک افواج کو دین اسلام اور خلافت اسلامیہ سے برگشتہ خاطر کر کے اور جہالت وپسماندگی کی تمام تر ذمہ داری اسلام اور نظامِ خلافت پر ڈال کر سیکولرازم اور قوم پرستی کے جذبات کو نہایت سرعت اور ہوشیاری سے ہوا دی۔اس صورت حال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مصطفیٰ کمال پاشا نے ترک خلافت کا خاتمہ کر کے عنانِ قیادت خود سنبھال لی اور اصلاح وترقی کے نام پر ایسے متعدد اقدامات کیے جن سے ترکی میں عربی زبان، رومی ٹوپی، اسلامی شعار اور مختلف دینی مظاہر پر پابندیاں عاید کر دیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، ضربِ کلیم، مشمولہ: ''کلیاتِ اقبال''، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص ۵۹۹

۲۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا، قرآن کا قانونِ عروج وزوال، لاہور: مکتبہ جمال، ۲۰۱۲ء، ص ۱۱۴

۳۔ فاطر ۳۵: ۴۳

۴۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا، قرآن کا قانونِ عروج وزوال، ص ۱۱۵

۵۔ ایضاً، ص ۱۲۲، ۱۲۳

۶۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، کراچی: مجلس نشریات اسلام، س ن، ص ۱۸۳

۷۔ شکیب ارسلان، امیر، علامہ، اسبابِ زوالِ اُمت، (مترجم: ڈاکٹر احسان بک سامی حقی)، اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی، ۲۰۱۲ء، ص ۴۲

۸۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الجبرتی، عبدالرحمٰن بن حسن، العلامۃ، عجائب الآثار فی التراجم والأخبار، (تحقیق: الأستاذ الدکتور عبدالرحیم عبدالرحمٰن عبدالرحیم)، القاہرۃ: مطبعۃ دارالکتب المصریۃ طبع بولاق، ۱۹۹۷ء، ۳/۱۳۴

8. Khalida Adeeb Khanum, "Conflict of East and West in Turkey", Maktaba Jamia Millia Islamia, DELHI. 1935, Pg: 36

9. Ibid, Pg: 36,37

۱۰۔ محمد عزیر، ڈاکٹر، دولتِ عثمانیہ، اعظم گڑھ، انڈیا: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۹ء، ۱/۲۰۲

۱۱۔ سعید احمد اکبر آبادی، پروفیسر، مولانا، مسلمانوں کا عروج وزوال، لاہور: ادارہ اسلامیات، اپریل ۱۹۸۳ء، ص ۱۵۶

۱۲۔ کرد علی، الاستاذ، الإسلام والحضارۃ العربیۃ، القاہرۃ: إدارۃ الاسلامیہ فی عز العرب، ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء، ۲/۴۹۹

۱۳۔ محمد عزیر، ڈاکٹر، دولتِ عثمانیہ، ۱/۲۱۰

۱۴۔ اکبر آبادی، سعید احمد، پروفیسر، مولانا، مسلمانوں کا عروج وزوال، ص ۱۶۰، ۱۶۱

۱۵۔ الانفال ۶۰:۶

۱۶۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، امام، الجامع، (تحقیق: احمد شاکر)، بیروت: داراحیاء التراث العربی، س ن، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، رقم الحدیث: ۲۶۸۷

۱۷۔ جرجی زیدان، تاریخ مصر الحدیث مع فذلکۃ فی تاریخ مصر القدیم، قاہرہ، مصر: مطبعۃ الہلال بالفجالۃ، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۱۱ء، ص ۹۹

18. Khalida Adeeb Khanum, "Conflict of East and West in Turkey",

Pg: 40

۱۹۔ سعید احمد اکبر آبادی، پروفیسر، مولانا، مسلمانوں کا عروج وزوال، ص ۱۶۳
۲۰۔ فلاحی، عبید اللہ فہد، ڈاکٹر، جدید ترکی میں اسلامی بیداری، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، نومبر ۱۹۹۹ء، ص ۷، ۸